پروفیسر نائلہ ارشد

چیرپرسن شعبہ انگریزی، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

محمد افضال بٹ

چیرپرسن شعبہ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

عصمت چغتائی اور ایلس والکر کے نسوانی کرداروں کا تقابلی جائزہ

For centuries women have been pushed to the periphery by patriarchs in order to maintain their supremacy over them. This practice has been continued since olden times and has affected women no matter to which society, culture, colour, country or continent they belong. In the past, literary field had been dominated by male writers only. In the middle of the nineteenth century many female authors of English as well as Urdu language, came forward with a radical feminist philosophy hence fighting for equal rights in society. They have portrayed such memorable characters who not only struggle for survival but also for their honour. Alice Walker in The Color Purple has suggested to the African, American women to get liberation through their consciousness. Similarly, Ismat Chughtai believes in the awareness, boldness and individuality of the women of Indian subcontinent. Both Alice Walker and Ismat Chughtai though indicate patriarchal biases yet never show any hatred against men. They depict through their female characters that women have to explore their own potential. Their women characters long for love. Their women protagonists struggle against patriarchal social patterns. Their principal male characters play negative roles by humiliating female protagonists. But the most positive and similar aspect of these women novelists is that their women are never man-haters. Instead their women are patient, bold, considerate and forgiving towards all, without discrimination of gender.

انیسویں صدی کے اختتام کے قریب تحریک تانیثیت شروع ہو چکی تھی۔ در حقیقت امریکہ میں غلامی کے خاتمے کے ساتھ ہی خواتین نے تحریک حقوق نسواں اور صنفی مساوات شروع کر دی تھی۔ وہ مساوی معاشی،

معاشرتی اور سیاسی حقوق کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ یہ سب گھر اور معاشرے میں پدر شاہی حکومت اور عورت کو دبا کر رکھنے کا ردعمل تھا"۔[1] خواتین کے حقوق کی تحریک شروع ہوئی۔ تو لکھاری خواتین بھی اپنے قلم کے ذریعے میدان عمل میں جوہر دکھانے لگیں۔ انہوں نے نہ صرف احسن طریقے سے خواتین کے مسائل اُجاگر کئے بلکہ اپنی ادبی کاوشوں کے ذریعے مجبور خواتین کی رہنمائی بھی کی۔ ایلس والکر اور عصمت چغتائی ایسی ہی بے باک لکھاری ہیں۔ ان دونوں کے نسوانی کردار ایسی حوصلہ مندی، صبر کرنے والی اور باہمت عورتیں ہیں۔ جو بدترین حالات کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہیں۔ گو دونوں مختلف معاشرے اور تہذیب سے تعلق رکھتی ہیں۔ پھر بھی وہ عورت کے جذباتی اور نفسیاتی احساسات کی حسین اور مکمل تصویر پیش کرتی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ ان کی اپنے اردگرد کے ماحول اور انسانوں پر گہری نظر اور مشاہدہ ہے۔

عصمت چغتائی اگست ۱۹۱۱ء میں بدایوان انڈیا میں پیدا ہوئی۔ ان کا تعلق اُتر پردیش کے ایک متوسط گھرانے سے تھا۔ اُن کے والد مرزا قاسم بیگ چغتائی ایک مجسٹریٹ تھے۔ وہ اپنے والدین کا نواں بچہ تھیں۔ لڑکی ہونے کی وجہ سے اُن کی پیدائش پر کوئی پذیرائی نہ ملی۔ عصمت کو بچپن میں گڑیوں سے کھیلنے اور کشیدہ کاری جیسے کاموں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اُسے اپنی خواہشوں کو گھوٹ کر رکھنا پسند نہ تھا۔ بڑی بہنوں کی شادی کے بعد وہ اپنے بھائیوں کے ہمراہ درختوں پر چڑھتی، گھڑ سواری کرتی اور بندوق سے نشانہ بازی بھی کرتی تھی۔ عصمت بحیثیت لڑکی شرمیلے پن یا احساسِ کمتری کا ہرگز شکار نہ تھی۔ عصمت نے پندرہ سال کی عُمر میں شادی کرنے سے انکار کیا۔ اُس نے اپنے والد کی مخالفت کے باوجود علی گڑھ اسکول میں داخلہ لیا۔ پھر مختلف نصابی سرگرمیوں میں حصہ لیتے لیتے وہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں داخل ہوگئی۔ ایک اسکول میں بطور ہیڈ مسٹرس بھی کام کیا۔ بعد میں عصمت نے فلمساز شاہد لطیف سے شادی کرلی اور فلموں کی کہانیاں لکھتی رہی۔ عصمت نے کئی ایوارڈ حاصل کئے۔ وہ ۱۹۹۱ میں ۷۴ برس کی عمر میں بمبئی میں انتقال کرگئی۔

بیسویں صدی کے آغاز میں ہی کئی مرد اور خواتین ناول نگاروں نے اپنی کہانیوں میں صنفی مسائل پر بحث شروع کردی تھی۔ یہی وقت تھا جب خواتین ناول نگاروں نے علی گڑھ اور لکھنو میں 'کون، کس بارے میں اور کیسے لکھے' جیسے معاملات کو اپنی انقلابی تحریروں سے نمایاں کردیا تھا۔ عصمت بھی انہی لکھاریوں میں سے ہے جنہوں نے روزمرہ زندگی کے مسائل، خصوصاً خواتین سے متعلقہ مسائل انتہائی حقیقی انداز میں پیش کئے ہیں۔ عصمت کو معاشرے میں پدرشاہی حکومت اور اس میں عورت کی گھٹن زدہ زندگی کا شدت سے احساس تھا۔ اس کا اظہار وہ اپنی

تحریروں میں بر ملا کرتی ہے۔ لڑکی کی پیدائش پر اُسے ناخوش ہو کر قبول کرنا، اس کو دوران تربیت ہر لحاظ سے دبانا، اسے مرد رشتوں سے ڈرا کر اُن کے زیر اثر رکھنا، اُسکی تعلیم کی راہ میں رخنے ڈالنا، اس کی پسند و ناپسند کو اہمیت نہ دینا اور اُس کا معاشرتی استحصال کرنا جیسی عام برائیوں اور جہالت کو عصمت نے اپنی تحریروں میں بہت بے باکی سے بے نقاب کیا ہے۔

اپنے ناول "سودائی" میں عصمت نے نسوانی کرداروں کے ساتھ ساتھ مردانہ کرداروں کی نفسیات کو بھی ظاہر کیا ہے۔ اس ناول کی حقیقی خوبصورتی اس کے کرداروں کے باوقار ظاہری پن کے پیچھے چھپی اصلیت، نقلی پن اور ریاکاری میں پنہاں ہے۔ عصمت نے نسوانی کردار چاندنی کا بڑی سرکار سورج کے ہاتھوں جنسی طور پر ہراساں کرنے کو ایک بے بس اور مجبور لڑکی کے جنسی استحصال کے طور پر پیش کیا ہے۔ "سودائی" اور بہت سی دوسری ادبی تحریروں میں عصمت چغتائی کے بے باکانہ انداز نے دنیائے ادب میں تہلکہ مچادیا۔ اس نے عورت پر کئے جانے والے جسمانی، جنسی اور جذباتی مظالم کی حقیقی تصویر پیش کی ہے۔ در حقیقت اُس نے عورت کو یہ درس دیا ہے کہ وہ ظلم و جبر کا شکار بننے کی بجائے مزاحمت کرے اور بطور جیتا جاگتا انسان اپنا اصلی مقام حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

امریکی ناول نگار ایلس والکر فروری ۱۹۴۴ میں جارجیا، یُو-ایس میں پیدا ہوئی۔ ایلس آٹھ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھی۔ اُس کی دائیں آنکھ کی بینائی بچپن میں اس کے بھائی کے ہاتھوں حادثاتی طور پر ضائع ہو گئی تھی۔ ایلس نے اسپیل مین کالج اور سارا لارنس کالج، نیو یارک میں اسکالر شپ پر تعلیم حاصل کی۔ سارا لارنس کالج میں پڑھتے ہوئے اُس کو کچھ جذباتی دھچکے لگے۔ جو کچھ عرصہ کے لیے اُسے یاسیت کی طرف لے گئے۔ ایلس نے ۱۹۶۵ میں گریجویشن کر لیا۔ اس نے ۱۹۶۷ میں ایک یہودی وکیل میلون روزن مین لیوینتھل سے شادی کر لی۔ کیوں کہ قانونی طور پر دو نسلوں کا آپس میں شادی کرنے والا یہ پہلا جوڑا تھا اس لیے اُن کو گوروں کی طرف سے بہت ہراساں کیا گیا۔ اُن کی بیٹی ربیکا کی پیدائش ۱۹۶۹ میں ہوئی۔ ان دونوں میں ۱۹۷۶ میں طلاق ہو گئی۔ پھر ایلس کیلی فورنیا چلی گئی۔ اُس نے بہت سی کہانیاں، نظمیں اور ناول لکھے مگر "دی کلر پرپل" اُس کا مشہور ترین ناول ہے۔ ایلس کو نیشنل بک ایوارڈ اور پُلیٹزر پرائز بھی ملا۔

ایلس والکر نے افریقن امریکی خواتین کی ترجمانی کرتے ہوئے اُن پر ہونے والے گھریلو اور نسلی ظلم و تشدد کے خلاف توانا آواز بلند کی ہے۔ عصمت چغتائی کی طرح ایلس والکر نے بھی جان لیا تھا کہ معاشرے میں مرد حاکم اور عورت محکوم کا درجہ رکھتی ہے۔ "دی کلر پرپل" میں اس کی مرکزی کردار خدا کے نام خطوط لکھتی ہے، اس

لیے نہیں کہ وہ شکوہ کرنا چاہتی ہے بلکہ اس لیے کہ وہ کسی سے اپنے دل کی باتیں اور دُکھ بانٹنا چاہتی ہے۔ جب وہ جواب نہیں پاتی تو بعد میں اپنی چھوٹی بہن نیٹی کو خطوط لکھتی ہے۔ کیوں کہ اس کے پاس اپنے جذبات اور دکھوں کے اظہار کا یہی واحد ذریعہ ہے۔

عصمت چغتائی کا "سودائی" ایک رومانوی اور اصلاحی کہانی ہونے کے ساتھ ساتھ مردانہ معاشرے میں عورت کے جذباتی اور احساساتی استحصال کی داستان بھی ہے۔ اس کی کہانی میں عصمت نے واضح کیا ہے کہ بڑی سرکار یعنی سُورج کی ذاتی خواہشات اور خود غرضی کس طرح بیچاری چاندنی کی زندگی اجیرن کر دیتی ہے۔ یہ ایک ایسی کہانی ہے جس میں اندرونِ خانہ ایک لڑکی چاندنی کو چندر کا بڑا بھائی سُورج، جسے دیوتا کی طرح مانا جاتا ہے، مسلسل جنسی طور پر ہراساں کرتا رہتا ہے۔ یہ ایک ایسی لاوارث اور غریب لڑکی کی بے بسی کی کہانی ہے جو ٹھاکر خاندان کے احسانات کے تلے دبی ہوئی ہے۔ چاندنی ایک ننھی منی سی بچی تھی جسے سُورج کا چھوٹا بھائی چندر اور بہن پمو گھورے سے اُٹھا کر گھر لے آئے تھے۔ وہ اتنی چھوٹی تھی کہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ اُس کے ماں باپ کون ہیں۔ اُس کی پرورش چندر کے گھر میں ہوئی، گو ماسی ایسا نہیں چاہتی تھی۔ ماسی چندر کی ماں کی سہیلی تھی۔ اُن کی ماں کی وفات کے بعد ماسی ہی گھر بھر کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ اُس کی شدید خواہش تھی کہ اُس کی بیٹی اُوشا کی شادی بڑے سرکار یعنی سُورج سے ہو جائے۔ سُورج چندر سے تقریباً پندرہ سال بڑا تھا۔ شبنم رضوی اپنی کتاب "عصمت چغتائی کی ناول نگاری" میں لکھتی ہیں۔ کہ سورج کو "بچپن میں دیوتاؤں کی طرح پالا گیا تھا۔ اس کی آرتی اتاری جاتی"۔ (۲)

لہٰذا اگر وہ شرارت کرنا بھی چاہتا تو تاثر بگڑنے کے ڈر سے خاموش رہتا۔ سب اُس کی بہت عزت و توقیر کرتے تھے۔ اُس کو دیوتا کی طرح بے عیب اور اعلیٰ کردار کا سمجھا جاتا تھا۔ اسی لیے اُسے "بڑے سرکار" کہا جاتا تھا۔ مگر چاندنی کو ہوش سنبھالتے ہی بڑے سرکار کی نظروں سے گھبراہٹ ہونے لگی۔ لاوارث ہونے کے باوجود وہ اپنے وجود کو سمیٹ کر رکھتی اور بڑے سرکار سے حتی الامکان دُور رہنے کی کوشش کرتی۔ وہ کافی نڈر تھی۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ کوئی چھپ چھپ کر اُسے نہاتے وقت غسل خانہ میں دیکھتا ہے تو اُس نے ارادہ کر لیا کہ وہ اس شخص کو ضرور پکڑے گی۔ ایک دن اس نے نہانے کی بجائے۔

"یوں ہی پانی گرانا شروع کیا۔۔۔ دھڑ سے دونوں پٹ کھول دیئے، سامنے بڑے سرکار کھڑے تھے۔ اُن کی آنکھوں میں زمانے بھر کی غلاظتیں یکجا تھیں"۔ (۳)

چاندنی کے سامنے بڑے سرکار کی اصلیت کھل چکی تھی۔ ناول میں ماسی کی بیٹی اُوشا ایک روز ساری حقیقت جان جاتی ہے۔ وہ سورج کے کمرے میں جاتی ہے، اور اُسی وقت سُورج چاندنی کی قمیض تار تار کر رہا ہوتا ہے۔ اُوشا سُورج سے محبت کرتی ہے اس لیے وہ چاندنی کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ زہر کھا کر اس گھر کے مکینوں کے احسانات کا بدلہ چکا دے۔ اُوشا اُسے سورگ کے سُہانے سپنے دِکھاتی ہے، مگر چاندنی بہت ساری آزمائشوں سے مردانہ وار گزر جاتی ہے۔ آخر کار سُورج چاندنی کی بلند ہمتی، اُس کی چندر سے سچی محبت اور قربانی کے جذبے سے مرعوب ہو کر وہ زہر پی کر مر جاتا ہے۔ جو اُوشا نے چاندنی کو پینے کے لیے دیا ہوتا ہے۔ ایک مجبور لڑکی کو اتنا جرات مند دکھانا صرف عصمت چغتائی کا ہی کارنامہ ہے۔

عصمت چغتائی اپنے کرداروں کی نفسیات کو بڑی مہارت اور عمدگی سے پیش کرتی ہے۔ اُس کی تحریروں کا نیا پن یہ ہے کہ وہ اپنے کرداروں کو ظاہر اور باطن دونوں پہلوؤں سے پرکھتی ہے۔ پروفیسر عبدالسلام اپنی کتاب " عصمت چغتائی اور نفسیاتی ناول " میں لکھتے ہیں۔

> " سودائی " میں " سُورج " کو ایسے حالات پیش آتے ہیں جن کی بنا پر وہ مصنوعی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔۔۔ اُس کے اندر کے انسان نے دورُخ اختیار کے لئے۔ باہر تو دیوتا کا خول چڑھالیا لیکن اندر کے گھٹے ہوئے اُانسان نے شیطان کا روپ اختیار کر لیا۔ "(۴)

عصمت چغتائی کے نسوانی کردار معاشرے کے بوسیدہ رسم و رواج سے کھلم کھلا بغاوت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ چاندنی بھی ایسا ہی ایک باغی کردار ہے جو نہ صرف سورج کے پیار کو ٹھکرا دیتی ہے بلکہ اس کی شخصیت پر پڑا ہوا شرافت کا پردہ بھی ہٹا دیتی ہے۔ سُورج چاندنی کی سرد مہری کا بدلہ اُوشا سے لیتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ بے رُخی کا رویہ رکھتا ہے۔ وہ چاندنی کو پکڑ پکڑ کر دست درازیاں کرتا ہے، اُس کے لیے رات رات بھر ننگے پاؤں ٹہلتا ہے۔ ایک رات خطرناک تنگ منڈیر پر سے گزر کر چاندنی کے کمرے کی طرف جاتا ہے۔ وہ یہ سب کچھ کرتا ہے یہ جانتے بوجھتے ہوئے کہ اُس کا اپنا چھوٹا بھائی چندر اور چاندنی ایک دوسرے سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔ گویا ایک ہی وقت میں وہ ایک لڑکی کی داسیوں جیسی محبت کو ٹھکراتا ہے۔ اور ایک اور لڑکی جو اس کے بھائی کی محبت میں گرفتار ہے، کو اتنا ہراساں کرتا ہے، کہ اس کی زندگی اجیرن کر دیتا ہے۔ ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش اپنی کتاب " عصمت چغتائی: شخصیت اور

فن" کے بارے میں لکھتی ہیں کہ "عصمت نے اپنے ناولوں میں "اپنے مخصوص لب و لہجے میں سماجی تنقید کی "[۵]
بلاشبہ عصمت نے اپنی انقلابی تحریروں سے اصلاح معاشرہ کی بھرپور سعی کی ہے۔

ایلس والکر کا ناول "دی کلر پرپل"۔[۶] جارجیا کے دیہات کی کہانی ہے۔ جہاں کی افریقی خواتین امریکی معاشرے میں اپنی کم تر حیثیت اور کالے رنگ کی وجہ سے بے شمار مسائل کا شکار ہیں۔ اس ناول کا مرکزی کردار، سیلی، مردوں کے ظلم و ستم کا بدترین نشانہ بنتی ہے۔ وہ چودہ سال کی ایک غریب اور مظلوم لڑکی ہے۔ جس کو اس کا سوتیلا باپ ڈرادھمکا کر زبردستی جسمانی اور جنسی تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ اس کی ماں شدید علیل ہو کر مر جاتی ہے۔ اس کا سوتیلا باپ سیلی کی تعلیم بند کر دیتا ہے۔ سیلی اپنے سوتیلے باپ کے دو بچوں کو جنم دیتی ہے۔ وہ ہر بار پیدائش کے فوراً بعد بچہ وہاں سے لے جاتا ہے۔ مسٹر نام کا ایک آدمی سیلی کی بارہ سالہ چھوٹی بہن نیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ مگر سیلی کا سوتیلا باپ، الفانسو، سیلی کی شادی مسٹر سے کر دیتا ہے۔ مسٹر کی بیوی مر چکی ہے۔ وہ اور اس کے بچے سیلی کے ساتھ بہت بدسلوکی کرتے ہیں۔ نیٹی گھر سے بھاگ کر سیلی کے پاس آجاتی ہے۔ مگر یہاں مسٹر اُس کے ساتھ زیادتی کی کوشش کرتا ہے، تو سیلی کی ہدایت پر نیٹی ایک کالی خاتون کی مدد حاصل کر کے گھر چھوڑ جاتی ہے۔ مگر وہ کبھی خط نہیں لکھتی لہذا سیلی سمجھتی ہے کہ نیٹی مر گئی۔ سیلی کا خاوند ایک گلوکارہ شگ ایوری سے محبت کرتا ہے۔ ایک دفعہ شگ ایوری بیمار ہو کر مسٹر کے گھر آجاتی ہے۔ سیلی اس کی بہت تیمارداری اور خدمت کرتی ہے۔ اس طرح وہ شگ کے قریب ہو جاتی ہے۔ سیلی اس کو بتاتی ہے کہ مسٹر اس کو مارتا ہے۔ وہ شگ کو کہتی ہے کہ وہ بھی شگ جیسی لگنا چاہتی ہے۔ اس پر شگ اسے سمجھاتی ہے کہ اس میں اپنی بہت سی خوبیاں ہیں۔ سیلی شگ کے حسن، اعتماد اور آزادی سے بہت متاثر ہے۔ شگ اس کی تربیت کرتی ہے۔ اسے بتاتی ہے کہ وہ بھی خوب صورت ہے۔ وہ سیلی کے مذہبی اور اخلاقی خیالات میں بے حد تبدیلی لاتی ہے۔ وہ اُس کی معاشی آزادی کے لیے اُسے نہ صرف قائل کرتی ہے بلکہ ہر ممکن مدد بھی فراہم کرتی ہے۔ وہ اس کی کپڑوں کی سلائی کی تعریف کرتی ہے۔ اور اُس کا سلائی کا کاروبا شروع کرواتی ہے۔ جو سیلی کی محنت کی وجہ سے کامیابی سے چل پڑتا ہے۔ اب سیلی پیسوں کے لیے کسی کی محتاج نہیں رہتی۔ شگ مسٹر کے کاغذات کی تلاشی لے کر سیلی کو بتاتی ہے کہ نیٹی نے اُسے خط لکھے ہیں۔ جو اس کے خاوند نے اُس سے چھپا کے رکھے ہیں۔ جب سیلی یہ خطوط پڑھتی ہے تو اُس پر آشکار ہوتا ہے کہ اُس کی بہن افریقہ میں مشنری کاموں میں مصروف ہے۔ اس کو یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ افریقہ میں بھی خواتین امریکہ کی طرح مستقل طور پر مردوں کے بے جا دباؤ اور ظلم و ستم کا شکار

ہیں۔ آخر میں ایلس والکر نے سیلی کے خاوند کو بہتر رویے کی طرف مائل ہوتے دکھایا ہے۔ کیوں کہ اب سیلی بھی تبدیل ہو چکی ہے۔ وہ اب ایک خود مختار اور پُر اعتماد عورت ہے۔

ایلس والکر نے اپنے ناول "دی کلر پرپل" میں امریکہ میں رہنے والی افریقی خواتین کے ساتھ ہونے والے صنفی اور نسلی امتیاز کو نشانہ تنقید بنایا ہے۔ وہ افریقی عورتوں کو ہمت اور حوصلہ دیتی ہے تاکہ وہ مایوس ہونے کی بجائے پُر اُمید رہیں اور انہی صلاحیتوں سے اپنی زندگی میں تبدیلی لے کر آئیں۔"(۷) وہ مظلوم اور خاموش عورتوں کو اس بات کی بھی ترغیب دیتی ہے کہ وہ ظلم، ناانصافی، جسمانی اور جنسی تشدد اور ہراسگی کے خلاف آواز بلند کریں چاہے وہ تحریر ہی کی صورت کیوں نہ ہو۔ ایلس والکر کی تخلیق کردہ عورتیں خصوصاً سیلی، صوفیہ اور سکویک اخلاقی طور پر اتنی نڈر اور حوصلہ مند ہیں۔ کہ وہ اپنے ساتھ پیش آئے ہوئے نسلی، جسمانی اور جنسی تشدد کے واقعات بڑی ایمان داری اور حقیقت پسندی سے سناتی ہیں۔ ایلس والکر کے نسوانی کردار مردوں کی ظالمانہ حکمرانی اور ناجائز پابندیوں کے خلاف بر سرِ پیکار نظر آتے ہیں۔ اِس طرح وہ اِن کرداروں کو مثبت پختگی اور بہتری کی طرف گامزن ہوتے دکھاتی ہے۔

عصمت چغتائی ایک انقلابی اور باغی مصنفہ ہے۔ اُس نے اُس زمانے میں عورت کے مساوی حقوق اور آزادی کے لیے آواز بلند کی جب خواتین کا حوصلہ ایسے کاموں کے لیے پست کیا جا رہا تھا۔ یہی قدم اردو ادب میں عصمت چغتائی کی اہمیت کو مزید بڑھاتا ہے۔ عصمت چغتائی نے اپنے زمانے کے معاشرے کو اپنے قلم کے ذریعے زندہ جاوید کر دیا ہے۔ اُس نے محسوس کر لیا تھا کہ سماج عورت کو کم تر سمجھتا ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے اسی معاشرے میں عورت اور مرد دونوں کے کردار کی ایسی تصویر کشی کی ہے کہ وہ خود جرات کا پیکر محسوس ہوتی ہے۔

عصمت چغتائی اور ایلس والکر نے تقریباً ایک ہی دور میں مختلف ممالک اور مختلف تہذیبوں میں رہتے ہوئے عورت کی معاشرے میں حیثیت، اُس کے مسائل اور ان کے حل کو موضوع بنایا ہے۔ دونوں معروف خواتین ناول نگاروں نے ایک ہی صنف پر ایک ہی عہد میں اتنی دُور دُور رہتے ہوئے ایک ایسی تصویر بنائی ہے جس میں دکھایا ہے کہ کس طرح عورت کو ہر لحاظ سے ہر معاشرے اور ہر تہذیب میں مردانہ غلامی کے شکنجے میں کس دیا گیا ہے۔ مگر دونوں عورتوں کی نجات اور آزادی کو ضروری سمجھتی ہیں۔

عصمت چغتائی اور ایلس والکر نے پوری دیانت داری اور اخلاص کے ساتھ دوسری محکوم عورتوں کے جذبات اور احساسات کو حقیقی رنگ دے کر نذرِ قلم کیا ہے۔ دونوں کے نسوانی کردار بہادری کے ساتھ عورت اور

مرد میں برابری کی تلاش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ دونوں اپنی تحریروں میں عورت کے حقوق، عورت کی تعلیم اور آزادی کا پرچار کرتی ہیں۔ دونوں نے اپنی نگارشات میں مختلف حالات میں ہر عمر کی عورت کے خیالات اور نفسیات کو انتہائی بے باکی سے پیش کیا ہے۔ اس کی بہترین مثال عصمت کے "سودائی" میں چاندنی، اُوشا، پمو اور ماسی کے کردار ہیں۔ جب کہ ایلس والکر کے "دی کلر پرپل" میں سیلی، نیٹی، سیلی کی ماں، شگ، صوفیہ اور سکویک ہیں۔ یہ سب اپنی اپنی جگہ منفرد نظر آتی ہیں۔ دونوں خاتون ناول نگاروں میں سب سے اہم مشترکہ خوبی یہ ہے کہ وہ مردوں کی مشرق و مغرب کی عورت پر بے شمار ناانصافیوں اور ظلم و ستم کے باوجود مرد سے نفرت نہیں کرتیں۔

مرد کرداروں میں بھی ایسی مثبت تبدیلی دکھاتی ہیں جس کے خوش کُن اثرات عورت پر آتے ہیں۔ اِن دونوں ناول نگاروں پر تحقیق کرنے سے یہ مقصد بھی واضح ہوتا ہے کہ اگر مرد اور عورت ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کریں تو دونوں اپنی اپنی خداداد خوبیوں اور صلاحیتوں کے بل بوتے پر پُوری دنیا میں مثالی معاشرہ قائم کر سکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱ Bates, Gerri. Alice Walker: A Critical Companion. The United States: Greenwood Press, 2005. Print.

۲۔ شبنم رضوی، عصمت چغتائی کی ناول نگاری، نیو پبلک پریس، دہلی، ۱۹۹۲، ص ۲۰

۳۔ عصمت چغتائی، سودائی، روہتاس بکس، لاہور، ۱۹۹۲، ص۲۹

۴۔ عبدالسلام، پروفیسر، عصمت چغتائی اور نفسیاتی ناول، اعجاز پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۹، ص ۳۷

۵ ۔ ایم ایس سلطانہ بخش، ڈاکٹر عصمت چغتائی: شخصیت اور فن، ورلڈ ویژن پبلشرز، اسلام آباد، ۱۹۹۲، ص ۲۲

6۔ Walker Alice. The Color purple and Other Works. New York: Marshall Cavendish Benchmark, 2009.print.

7۔ Lauret, Maria. Alice Walker: Modern Novelists, The United states: Palgrave Macmillan , 2000.print.